رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۹۶ ہر انگریزی ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸ تاریخ کو قادیان دار الامان سے نکلتا ہے رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۹

فاروق

قادیان

ایڈیٹر میر قاسم علی احمدی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۱۴ | قادیان مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء مطابق ۹ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ | نمبر ۲۶

دار الامان کی خبریں

(۱) حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی طبیعت ہفتہ زیر اشاعت میں درد گردہ کی شکایت سے ناساز رہی۔ اب بفضلہ آرام ہے۔ احباب دعائے صحت فرماتے رہیں ؛

(۲) ۷ اکتوبر کی شب کو دفتر سمال ٹون کمیٹی قادیان کا قفل توڑ کر ایسے خواندہ چور دفتر میں داخل ہوئے جنہوں نے نہایت اطمینان سے کمیٹی کے تمام کاغذات کی پڑتال کی جن کی ضرورت تھی وہ کاغذات لے لئے۔ باقی کاغذات اور ٹیکس وغیرہ کے رجسٹر پھاڑ کر اندر ہی پھینک دیئے۔ اور کچھ نقشہ جات مکانات و رجسٹر و دیگر کاغذات قریب کی ڈھاب میں غائب کر گئے۔ دفتر میں ایک ٹائم پیس اور ایک سوٹ کیس جس میں پارچات پوشیدنی اور کچھ اور کپڑے موجود تھے انکو بالکل ہاتھ نہ لگایا۔ معلوم ہوتا ہے وہ لالچی چور نہ تھے۔ صرف اہل غرض تھے۔ جو شخص کسی خاص کاغذات کی جستجو میں تکلیف فرما کر آئے۔ اور خوب پڑھ پڑھ کر ایک ایک کاغذ کو پھاڑتے رہے۔ حسب مطلب جو چند کاغذ وہاں متعلق حساب کتاب مذبح ان کو ملے۔ وہ لے گئے۔ اور سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ دفتر سمال ٹون کمیٹی کے عین سامنے پولیس کی اہر دو گارد ہے

جماعت احمدیہ قادیان کے ایڈریس کے جواب میں

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی مذبح قادیان کے انہدام اور ذبیحہ گاؤ کے متعلق تقریر

جماعت قادیان کا وہ ایڈریس جو حضور کی واپسی کشمیر پر یکم اکتوبر کو پیش کیا گیا تھا۔ گذشتہ فاروق میں شائع ہو چکا ہے۔ آج حضور کا جواب ناظرین فاروق کو سنایا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔ میں اپنے دوستوں کا اس اظہار مسرت اور اظہار اخلاص پر جو میری آمد پر انہوں نے کیا

شکریہ

ادا کرتے ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس اخلاص اور محبت کی جزائے خیر عطا کرے۔ اس موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جس پر کہ اس ایڈریس کے جو اس وقت میری آمد پر پڑھا گیا۔ اکثر مطالب حاوی ہیں ؛

دنیا جانتی ہے۔ ہم نے بزدل کہلا کر۔ خوشامدی کہلا کر۔ لالچی اور حریص کہلا کر۔ بے وقوف اور جاہل کہلا کر۔ اور ہر قسم کے بُرے سے بُرے نام رکھا کر بھی دنیا میں

امن اور آشتی قائم رکھنے کے لئے

ہر قسم کی سعی اور جد و جہد سے کام لیا ہے۔ لوگوں نے ہمارے نازک ترین احساسات کو صدمہ پہنچایا۔ اور ہر طرح کے طعنوں سے بھڑکایا۔ لیکن باوجود اس کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اشتعال اور غیرت دلانے کے ہم نے اپنے جذبات کو دبائے رکھا۔ اور فتنوں او[ر] فسادات کی آگ بھڑکانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ال[ٹا ا]نکے مٹانے کی سعی کی ہے لیکن

ایک با[ت]

ہے۔ جو میں اپنی جماعت کے دوستوں کو سنا دینا اور ساری دنیا کو بتا دینا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ مومن اگر ایک وقت اپنی نرمی۔ آشتی اور صلح جوئی کے ثبوت کے لئے

ہر ایک قربانی

کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ تو جس وقت اسکی اس آزمائش اور اس امتحان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ جہاں سے آگے چلنے سے شریعت اُسے روک دیتی ہے۔ اس وقت اس سے بڑھ کر

بہادر اور جری

بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اس وقت اُسے بہادری اور شجاعت دکھانے سے نہ دنیا[وی] حکومتیں روک سکتی ہیں نہ گورنمنٹیں اس کا کچھ کر سکتی ہیں۔ کیونکہ دنیا میں کسی کام سے رُکنے اور باز رہنے کی دو ہی وجوہ ہوتی ہیں۔ اوّل شریعت اور عقل کہتی ہے۔ کہ یہ کام نہ کرو۔ دوسرے بُزدلی اور منافقت کہتی ہے۔ اس سے پیچھے ہٹ جاؤ لیکن جب مومن کو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ شریعت اور عقل فلاں کام کرنے سے روکتی نہیں۔ بلکہ اسکے کرنے کا حکم دیتی ہے۔ تو ایک ہی بات باقی رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ بزدلی اسے اس کام کے کرنے سے روک دے۔ مگر

خدا کے بندے کبھی بزدل نہیں ہوتے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ؎

کہ صادق بزدلے نبود اگر بیند قیامت را

جو شخص سچائی پر قائم ہو۔ جو یہ سمجھتا ہو۔ کہ جس راستہ پر چل رہا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کی رضا کا رستہ ہے۔ تو پھر اگر قیامت بھی آجائے۔ تو وہ بزدلی نہیں دکھایا کرتا۔ بس ہم اپنی ان

قدیم روایات

کو قائم رکھتے ہوئے۔ جن کی وجہ سے ہم نے اپنے ہم قوموں اور اپنے بھائیوں سے لڑائی مول لی۔ ان کی ناراضی برداشت کی۔ ان کے طعنے سُنے۔ انہیں قائم رکھتے ہوئے سعی کرینگے۔ کہ دنیا میں امن قائم رہے۔ فتنہ و فساد نہ پیدا ہو۔ مگر دنیا کو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیئے۔ جہاں ہم خود ابتدا نہ کرینگے۔ وہاں اگر کوئی ہمارے متعلق ابتدا کرے گا۔ تو ہم اس کی کوئی حرکت بھی برداشت نہیں کرینگے۔ اور وہ وہ کچھ دیکھیگا جو اس کے

وہم و خیال

میں بھی نہ ہوگا۔ ہم کسی کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ لیکن جو ہاتھ ہمارے خلاف اُٹھے گا۔ وہ شل کیا جائیگا اور وہ کبھی کامیابی سے نیچے نہیں جُھکے گا۔ ہم نے کبھی باتیں نہیں بنائیں۔ کبھی بڑھ بڑھ کر دعوے نہیں کئے۔ اور اس وجہ سے لوگوں کے اعتراض بھی سنے۔ جب انہوں نے بڑے بڑے دعوے کئے۔ کہ ہم یہ کر دینگے۔ وہ کر دینگے۔ اس وقت ہم ان کے دعووں میں شریک نہ ہوئے۔ اس لئے کہ ہم جانتے تھے۔ یہ محض دعوے ہیں۔ جن پر کبھی عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس پر ہمارے متعلق کہا گیا۔ یہ بزدل ہیں۔ اس لئے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ مگر کر کے انہوں نے بھی کچھ نہ دکھایا۔ صرف باتیں کر کے رہ گئے +

غرض ہم نے کبھی نہیں کہا۔ کہ ہم

خون کی ندیاں

بہا دینگے۔ اور ہم تو لوگوں کے زخم مندمل کرنے آئے ہیں۔ نہ کہ خون بہانے کے لئے۔ پس ہم اب بھی یہی کہیں گے کہ ہم دنیا میں امن اور صلح قائم کریں گے۔ مگر باوجود اس کے میں بتا دینا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی ہمارے امن پسندی کے جذبات سے

غلط فائدہ

اٹھا کر قدم اٹھانا چاہے۔ تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے خدا تعالےٰ کی جماعتوں نے کبھی پیٹھ نہیں دکھائی۔ اور پہلوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بتایا۔ ہم یوں دعویٰ نہیں کیا کرتے۔ اور اس وقت بھی میں کوئی دعویٰ کرنا پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے میں اس بات کو طول دینا نہیں چاہتا۔ بلکہ صرف اتنا کہتا ہوں۔ جب کوئی ایسا موقعہ آئیگا اس وقت ہم دکھا دینگے۔ کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اور کیا کرتے ہیں۔

مومن کا کام

وقت اور موقعہ پر کر کے دکھانا ہوتا ہے۔ اس لئے اسے کسی دعوے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ خیالات کا اظہار نہ کرنے کی وجہ سے دوسرے دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اس لئے میں فساد بڑھانے کی غرض سے نہیں۔ بلکہ امن پسندی کی نیت سے بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ ہم قیام امن کے لئے سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن کوئی ایسی بات برداشت نہیں کر سکتے۔ جس سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہو۔ ذبیح کے سوال پر میں نے ٹھنڈے دل سے غور کیا۔ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ سوال یہ نہیں۔ کہ سکھوں اور ہندوؤں نے

اینٹوں کی ایک چار دیواری

گرادی۔ [یا] ایک خاص غذا کھانے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ بلکہ سوال یہ ہے۔ کہ کوئی قوم اپنی نجابت اور شرافت کو ثابت کرنے کے لئے کبھی ایسی زندگی برداشت نہیں کر سکتی۔ کہ ایک دوسری قوم اسے کہے کہ جو میں کہوں۔ وُہ کرے۔ اور جس کی میں اجازت دوں وہ کھائے۔ اس قوم سے بڑھ کر

بے غیرت قوم

اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جو اپنے کھانے پینے کو دوسری قوم کے اختیار میں دیدے۔ اسلام نے کسی غیر مسلم کو مجبور نہیں کیا کہ اس کی تعلیم پر عمل کرے۔ لیکن اس بات کی بھی کسی کو اجازت نہیں دی۔ کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تعلیم پر چلنے کے لئے مجبور کرے۔ کیا یہ

عجیب بات

نہیں۔ کہ ہندو ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک کہتے تو یہ ہیں۔ کہ اسلام جبر کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر جبر خود کرنا چاہتے ہیں۔ اور گائے کا گوشت جبراً بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام نے تو ان معاملات میں بھی جبر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جو گائے کی نسبت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بہت اہم ہیں۔ مثلاً سود خوری ہے۔ اُسے

خدا سے لڑائی

قرار دیا گیا ہے۔ مگر ہم روزانہ بنیوں اور مہاجنوں کو دیکھتے ہیں۔ کہ سودی کاروبار کرتے ہیں۔ مگر ہم ان کی بہیوں کو چاک نہیں کر دیتے۔ لیکن اگر یہی طریق جاری ہو جائے کہ جو بات کسی کو دوسرے مذاہب والوں کی ناپسند ہو۔ اس سے جبراً روک دے۔ تو ہندوؤں کو معلوم ہونا چاہیئے۔ اسلام نے سود خوری کو خدا سے جنگ قرار دیا ہے اگر اسی اصل پر عمل ہونا چاہیئے۔ جو ہندو گائے کے متعلق قرار دے رہے ہیں۔ تو پھر مسلمانوں کو بھی حق حاصل ہونا چاہیئے کہ سودی لین دین کرنے والوں کو جبراً روک دیں۔ ان کی بہیاں پھاڑ دیں۔ اور ان کے مکان گرا دیں۔ کیا دوسری قومیں مسلمانوں کو یہ حق دینے کیلئے تیار ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو

گائے ذبح کرنے کا حکم،

تو نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کیا وید میں سود لینے کا حکم ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ جو سود نہ لے گا۔ اس کی مکتی نہ ہو گی۔ اگر نہیں تو گائے اور سود کا معاملہ ایک ہی جیسا ہے۔ انہیں ان کا مذہب سود لینے سے روکتا ہے۔ لیکن ہمارا مذہب گائے ذبح کرنا جائز قرار دیتا ہے۔ اور سودی کاروبار کو خدا سے جنگ بتاتا ہے پھر ہم مسلمان ہی گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ دوسرے ہماری نقل نہیں کرتے۔ مگر ہندوؤں کا سودی کاروبار دیکھکر کچھ مسلمان بھی سود لینے لگ گئے ہیں۔ اگر اسی اصل پر عمل کرنا چاہیئے۔ تو کیا دوسری قومیں اس کے لئے تیار ہیں؟ ہمیں تو اس اصل کی صحت سے انکار ہے۔ لیکن جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ کیا وہ یہ کہنے کے لئے تیار ہیں کہ مسلمانوں کو ان کی جو بات ناگوار ہو۔ اس میں وہ بھی جبر کریں۔ کیا اس طرح ملک میں امن قائم رہ سکتا ہے۔ اور ملک کے باشندے امن کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے۔ کہ جہاں مسلمانوں کا زور ہوا۔ وہاں مسلمانوں نے ہندوؤں کو دبا لیا۔ اور جہاں ہندوؤں کا زور ہوا۔ وہاں انہوں نے مسلمانوں کو دبا لیا۔ اس سے نہ کوئی قوم قائم رہ سکتی ہے۔ نہ امن قائم ہو سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں

مختلف مذاہب کے لوگ

رہتے ہیں۔ تو اس سچائی کو قبول کرنا پڑیگا۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔ منہ سے سوراج سوراج کہنے سے سوراج حاصل نہیں ہو سکتا نہ وطنیت وطنیت کہنے سے وطنیت قائم ہو سکتی ہے۔ بلکہ جب یہ سمجھ لیں۔ کہ ہندوستان میں کئی مذاہب قائم ہیں۔ جن کا آپس میں اختلاف ہے۔ اور ہر ایک کا حق ہے۔ کہ

اپنے اپنے مذہب پر

چلے۔ دوسرے کو کسی کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دینا چاہیئے۔ اس وقت وطنیت قائم ہو سکتی ہے۔ لیکن جب تک اس بات کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ اور اس کے مطابق زندگی بسر نہ کی جائے۔ اس وقت تک نہ وطنیت قائم ہو سکتی ہے۔ نہ سوراجیہ مل سکتا ہے۔

ہم اس رواداری سے کام لینے کے لئے تیار ہیں اور اس کا

عملی ثبوت

دے رہے ہیں۔ ہمارے مرکز میں غیر مذاہب کے لوگ ایسے کام کرتے ہیں۔ جن سے مسلمانوں کے احساسات کو شدید صدمہ پہنچتا ہے۔ مگر ہم ان میں دخل نہیں دیتے. بلکہ یہ کہتے ہیں۔ ہر ایک کی مرضی اور اختیار ہے۔ جو چاہے کرے۔ جب دوسروں کے متعلق ہمارا یہ رویہ ہے تو ہم یہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ کہ وہ چیز جو ہمارے مذہب نے ہمارے لئے جائز قرار دی ہے وہ دوسروں کے دباؤ سے چھوڑ دیں۔ ہم اپنی مرضی اور اختیار اور سمجھوتہ سے جو چاہیں۔ چھوڑ دیں۔ مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم اپنی نسلوں میں یہ احساس پیدا ہونے دیں کہ فلاں چیز ہم سے زبردستی چھڑا دی گئی ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا۔ کہ ہم اپنی اولاد کو ہمیشہ کے لئے

ہندوؤں اور سکھوں کی غلامی،

میں دیدیں۔ پس موجودہ حالات میں ذبیحہ گائے کا سوال مسلمانوں کے لئے ایسا اہم ہے۔ کہ اس پر انکی اولادوں کی غلامی اور آزادی کا انحصار ہے۔ دوسری طرف جو لوگ ذبیحہ گائے کو روکنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ ان کے احساسات حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ورنہ ان کا حق نہیں۔ کہ ایسا کریں۔ کیونکہ جو گائے کا گوشت کھانا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے مذہب کے لوگ نہیں۔ بلکہ الگ مذہب کے ہیں۔ اور دوسروں پر جبر کرنے کا انہیں کیا حق ہے ؛

بہرحال انہوں نے جو جبر کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس نے مسلمانوں کو بتا دیا ہے۔ کہ یہ اُن کی

غلامی اور حریت کا سوال

ہے۔ اور اس وجہ سے ہم اسے حل کرنے کیلئے مجبور ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں تنظیم کی کمی ہے۔ ان میں کوئی انتظام نہیں۔ انہیں پھاڑنے کے کئی طریق برادران وطن جانتے ہیں۔ اور ان پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ ہم حق کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے کامیاب ہونگے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہو گی۔ پس اگر ہمسایہ قوموں نے ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ تو ہم نہ صرف پنجاب کے بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو منظم کریں گے۔ تاکہ وہ اپنے حقوق حاصل کریں۔ اور غیر مسلموں کے حد سے بڑھے ہوئے احساسات مٹا دیں۔ اس کی ذمہ واری انہی لوگوں پر ہو گی۔ جو اسباب کے لئے مسلمانوں کو مجبور کر رہے ہیں ؛

ہم نے ان لوگوں کا ہمیشہ خیال رکھا۔ یہاں کے لوگ گواہ ہیں۔ کہ میں نے ایک آدمی کو یہاں سے اسلئے نکال دیا کہ اس نے گائے کا گوشت فروخت کیا۔ اور جب تک میں نے یہ محسوس نہیں کیا۔ کہ اس کام کی واقعی ضرورت ہے۔ اسوقت تک اسکی اجازت نہیں دی۔ ممکن ہے۔ یہاں کے لوگ غصہ کی حالت میں اس کا انکار کر دیں جس طرح انہوں نے کہا تھا۔ کہ گورنمنٹ نے اجازت نہیں دی تھی نہ کہ آپ نے روکا تھا حالانکہ اسوقت میں نے افسروں کو اجازت دینے سے روکا تھا۔ اور میرے پاس قادیان کے

ایک معزز ہندو کا خط

موجود ہے جس میں انہوں نے اقرار کیا ہے۔ کہ میں نے ہی پہلے مذبح کو روکا تھا۔ غرض ہم نے ہر طرح ان کا خیال رکھا اور لمبے عرصہ تک رکھا۔ حالانکہ اس عرصہ میں بھی یہ لوگ ہمیں نقصان پہنچانے کی ہر طرح کوشش کرتے رہے۔ اور میں سمجھتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوں۔ جو طریق انہوں نے اس دفعہ اختیار کیا ہے۔ اگر اسکی بجائے پہلی طرح ہی میرے پاس آتے تو جس قدر ممکن ہوتا میں ان کا خیال رکھتا۔ اور میرے ذہن میں ایسی تجاویز تھیں۔ کہ ان پر عمل کیا جاسکتا

ہندو اور سکھ صاحبان کی دلجوئی

ہو سکتی تھی۔ مگر ان میں سے ایک فریق نے تو دھمکی دی۔ کہ اگر مذبح جاری ہوا۔ تو فساد ہو جائیگا۔ اور چونکہ دھمکی کوئی باغیرت انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلئے میں نے بھی کہدیا۔ جو فساد کرنا چاہتے ہوں۔ وہ کر کے دیکھ لیں۔ دوسرا فریق ملنے کا وعدہ کر کے نہ آیا۔ اس نے سمجھا۔ وہ زور سے جو چاہے منوا لیگا۔ ورنہ اگر یہ لوگ میرے پاس آتے۔ تو ان کا مدعا ان کے اختیار کردہ طریق سے زیادہ بہتر حاصل ہوتا۔ میں نہیں سمجھتا۔ گورنمنٹ کس طرح ایسا

ظالمانہ اور خلاف عقل فعل

کر سکتی ہے۔ کہ مذبح کو روک دے۔ لیکن اگر وہ ایسا ہی کرے۔ تو بیسیوں طریق ایسے ہیں جن پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور میں نے معلوم کر لیا ہے۔ کہ ذبیحہ گائے گورنمنٹ کے روکنے سے بھی نہیں رک سکتا۔ اور قانون کے اندر رہ کر ایسے پر عمل کیا جا سکتا ہے اور مذبح سے بھی زیادہ کیا جا سکتا ہے۔ پس اگر مذبح کو روک بھی دیا گیا۔ تو ہم قانون کے الفاظ کی تو پابندی کرینگے۔ مگر اسکی روح کو کچل دینگے۔ اور خود کئی ہندوؤں نے میری اس چٹھی کے جواب میں جو میں نے شائع کی ہے۔ تسلیم کیا ہے۔ کہ قانون کے ذریعہ اس کا تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ قانون کے ذریعہ ذبیحہ گائے روکا جا سکتا ہے۔ ایسی باتیں آپس کے سمجھوتہ سے ہی طے ہو سکتی ہیں۔ اور قانون کی نسبت زیادہ عمدگی سے طے ہو سکتی ہیں۔ مگر اس طریق کو چھوڑ کر جبر کا رنگ اختیار کیا گیا۔ اسلئے ہم بھی مجبور ہیں۔ کہ حریت کی روح دکھائیں۔ اور اپنا حق حاصل کریں۔ پس ہم اب اسے چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہاں غور کرنے کیلئے اب بھی تیار ہیں۔ بشرطیکہ پہلے مذبح قائم کر دیا جائے۔ جنہوں نے مذبح گرایا ہے۔ وہ پہلے اسے بنا دیں۔ اور پھر میرے پاس آئیں۔ اور مجھ سے بات کریں۔ مذبح کے کھڑے ہونے سے پہلے نہیں۔ اس صورت میں ہم تمام وہ طریق اختیار کرینگے جن سے اپنی عزت قائم کر سکیں۔ اور دنیا کو بتا دیں۔ کہ ہم کسی کے غلام ہو کر رہنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے بتایا ہے۔

گورنمنٹ کے قانون کی پابندی

کرنا ہمارے لئے مذہباً ضروری ہے۔ مگر ایسے رستے ہیں کہ ان کے ذریعہ اس قانون کی غرض باطل کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ہماری جماعت کے ایک معزز شخص نے حکومت کے ایک بڑے افسر سے کہدیا تھا۔ آپ جو چاہیں کر لیں۔ میں بھی تمہیں حکومت نہیں کرنے دوں گا۔ گاؤں کے پیچھے ہی پھرتا رہوں گا۔ پس وہ

غلطی کا ازالہ

کر کے آئیں۔ میں ہر وہ طریق اختیار کرنے کیلئے تیار ہوں جو ہماری عزت کو قائم رکھ سکے۔ ہماری ضرورت پوری کر سکے اور انکے احساسات کا خیال رکھا جا سکے۔ غرض ہم انکے احساسات کو زیادہ سے زیادہ مدنظر رکھیں گے۔ ورنہ نہ صرف ہم ہی ذبیحہ گائے پر زور دینگے۔ بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی تحریک کرینگے۔

باوجود اس کے کہ مقامی ہندوؤں کے تعلقات ہم سے اچھے نہ تھے۔ وہ جھوٹی باتیں ہماری طرف منسوب کر کے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ میں نے ہمیشہ ان کا خیال رکھا۔ اور جب ایک گذشتہ سال مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ سیاسی تعلقات اچھے نہ ہونے کی وجہ سے یہ تحریک کی کہ

گائے کی قربانی

زیادہ کی جائے۔ تو میں نے اعلان کر دیا۔ کہ ہندوؤں کی دلآزاری کی غرض سے ایسا نہ کیا جائے۔ اس طرح قربانی نہ ہوگی مگر ہماری ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیا گیا۔ ہماری امن پسندی کو بزدلی بتایا گیا۔ اور کہا گیا۔ کہ قادیان کے اردگرد سکھوں اور ہندوؤں کے ۸۴ گاؤں ہیں۔ وہ مذبح قائم نہیں ہونے دینگے۔ میں کہتا ہوں۔ اگر ۸۴ گاؤں بھی ہوں تو کیا ہوا۔ مومن تو ساری دنیا سے بھی نہیں ڈرتا۔ میں تو اگر اکیلا ہوتا۔ اور ۸۴ چھوڑ ۸۴ لاکھ گاؤں بھی اردگرد ہوتے۔ اور

عزت کا سوال

ہوتا۔ تو میں اکیلا ہی گائے ذبح کرتا۔ اور سب سے کہدیتا آؤ جو کچھ کر سکتے ہو۔ کر لو۔ انسان زندہ رہتا ہے کچھ کرنے کیلئے۔ اگر اس کی عزت ہی نہ رہی۔ تو اس نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ جس کے لئے زندہ رہے۔ ادھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو اپنے مال اور عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جاتا ہے۔ وہ شہید ہے۔ پس مومن موت سے نہیں ڈر سکتا۔ اگر کوئی اسے موت کی دھمکی دیتا ہے۔ تو

وہ بڑی خوشی سے اُسے خیر مقدم کرتا ہے۔ کہ آؤ جو مارنا چاہتا ہے مار ڈالے۔ مگر جن کو خدا نے

زندہ رکھنے کے لئے

پیدا کیا ہے۔ انہیں کون مار سکتا ہے۔ مومن تو اس دیو کی طرح ہوتا ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے۔ کہ اسکے خون کی ایک ایک بوند سے ایک ایک دیو پیدا ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی ایک احمدی کو ماریگا۔ تو اس کی جگہ سو کھڑے ہو جائیں گے۔ جس کا جی چاہے یہ تماشا دیکھ لے۔ اور ہم سے پہلے کونسی کمی کی گئی ہے لیکن ہمارا کیا بگاڑ لیا۔ ابھی دیکھ لو۔ ہندوؤں اور سکھوں نے مذبح کی اینٹیں ہی جدا کی تھیں۔ کہ

سارے مسلمانوں کے دل

اکٹھے ہو گئے۔ اگر اس قسم کے جبر سے یہ لوگ کام لینگے۔ تو ہمیں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ مسلمانوں میں قومی غیرت بھڑکیگی اور مسلمانوں کا تفرقہ جس کا کوئی علاج نظر نہیں آتا اس طرح دور ہو جائے گا۔ پس ہم ان دھمکیوں سے گھبراتے نہیں۔ ہاں کوئی صدمہ ہے تو یہ ہے۔ کہ ہم دنیا میں جو صلح و آشتی پیدا کرنا چاہتے ہیں اسے نقصان نہ پہنچے۔ ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالے ہمیں اپنی عزت قائم رکھنے اور امن و آشتی سے زندگی بسر کرنے کی توفیق دے۔ ہم خود بھی امن میں رہیں اور اپنے ہمسایوں کو بھی امن دیں۔ غرض یہ ایک اہم معاملہ ہو گیا ہے۔ اور اس کا

سب اسلامی فرقوں سے تعلق

ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے۔ کہ اس قسم کے نقصان ہمیں اسلئے پہنچ رہے ہیں۔ کہ جن امور میں ہمیں اتحاد کرنا چاہیئے۔ ان میں نہیں کرتے۔ اسوجہ سے ہم سے دوسری قومیں یہی سلوک کر رہی ہیں۔ جو ایک جاٹ نے ایک سید ایک مولوی اور ایک انکے خادم سے کیا تھا۔ کہ ان تینوں کو اکیلے اکیلے کر کے خوب پیٹا تھا۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں میں یہ بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ کہ جن باتوں میں ہم متفق ہو سکتے ہیں۔ ان میں متفق ہو جانا چاہیئے۔ میں نے

مسلمانوں کی تنظیم

کے متعلق ایک سکیم سوچی ہے۔ جو ایسے اصول پر ہے۔ جو مسلمان خود تسلیم کر لیں۔ پہلے قادیان کے اردگرد اور ضلع گورداسپور کے مسلمانوں میں اسے جاری کرنیکا ارادہ ہے۔ پھر وسعت دیجائیگی اگر مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ اور جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دیانندی مشن

آریہ سماج اور گائے

جب سے آریہ سماج نے جنم لیا ہے۔ اسی وقت سے اس کے انویائی بہ دعوےٰ لوگوں کے سامنے بڑے زور وشور کے ساتھ پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر دنیا کے اندر کوئی دھارمک سوسائٹی ہے۔ جو کہ صرف ایک ایشور کی اپاسنا کرتی ہو۔ اور ہر ایک طرح کے کفر و شرک سے دور ہو۔ تو وہ کیول ایک آریہ سماج ہے باقی سارے سنسار کے تمام دھرم انیک پرکار کے شرکوں میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ آریہ سماج کسی کو نہ صفات میں نہ ذات میں اور نہ عزت و احترام میں خدا کا ثانی سمجھتی ہے۔

آریوں میں گائے کی پوجا

لیکن افسوس یہ ان کا قول سراسر خلاف واقعہ اور لوگوں کو دھوکا دینے کا ہے۔ کیونکہ موجودہ آریہ سماج میں گائے کی پوجا کا شرک اس قدر ترقی کر گیا ہے۔ کہ اگر کوئی انسان ایشور کو نہ مانے اور وید کے بنانے والوں کو نشاچر اور بھانڈ کے ناموں سے پکارے۔ تب بھی آریہ سماج میں رہ سکتا ہے۔ لیکن گائے کی پوجا نہ کرنے والا ایک پل بھر کے لئے بھی آریہ سماج میں اپنے آپ کو شمار نہیں کر سکتا۔ اور آریہ سماج نے گائے کی پوجا میں اس قدر ترقی کی ہے۔ کہ اس کے ایک اپدیشک نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ جو گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کو گولی سے اڑا دینا چاہیئے پس ان لوگوں کے لئے جو گائے جائز طور پر اپنے مذہب کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ کتنا کچھ خطرے کا موقع ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ وہ قوم جو اپنے آپ کو توحید کے ماننے والی ظاہر کرتی ہے۔ وہ شرک گائے میں اس قدر غرق ہو جائے۔ کہ دوسری قوموں کے جائز حقوق چھیننے کے لئے ہر ناجائز قربانی کرنے کو تیار رہے۔ کیا کبھی آریہ سماج نے وید رکھشا کے لئے اس قدر جوش دکھایا؟ ہرگز نہیں! تو کیا وجہ ہے۔ کہ ایک حیوان کو آریہ سماج اس قدر عزت دے۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر مفید جانور دنیا کے اندر پائے جاتے ہیں۔ جن کا آریہ سماج نام تک نہیں لیتی مثال کے طور پر بھینس کو دیکھ لو۔ جو کہ دودھ اور گھی دینے میں گائے سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور پھر دودھ بھی گائے کے دودھ سے بدرجہا بہتر اور عمدہ ہوتا ہے۔ تو کیا کبھی آریہ سماجی دوست کو خیال آیا۔ کہ ایسے مفید جانور کی رکھشا کیلئے کوئی دھیمی سی آواز ہی نکالے یا ایک آدھ بھینس شالہ کھولے جبکہ ایسا نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ تو آریہ سماج کا یہ دعوےٰ کہ ہم گائے کو مفید اور کار آمد حیوان سمجھ کر اس کی رکھشا کرتے ہیں۔ محض جھوٹ اور افتراء ہے۔ اگر مفید جانور ہی کی رکھشا مقصود ہوتی۔ تو بھینس اس سے بدرجہ اولیٰ ہر رنگ میں مفید ہے۔ پس یہ ان کا ایک ڈھکوسلہ ہے۔ اصل بات وہی ہے۔ کہ آریہ سماج میں گائے پرستی نے اپنا پورا اثر کیا ہے۔ جس کو آریہ سماج چھپانے کے لئے بہانے تراشتی ہے۔

گائے بکری کا دودھ

پھر کہا جاتا ہے۔ کہ گائے کا دودھ چونکہ بیماریوں کا ناشک ہے۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ ایسا حیوان جس کے دودھ سے لوگوں کی بیماریاں دور ہوں۔ اس کی رکھشا کی جاوے۔ اول تو کون نہیں جانتا۔ کہ مسلمان زمیندار دودھ دینے والی گائے کو ہرگز ہرگز ذبح نہیں کرتے بلکہ ایسی گائے کو ذبح کیا جاتا ہے۔ جو کہ دودھ دینے اور بچہ جننے سے بالکل ناکارہ ہو چکی ہوتی ہے۔ ایسی گائے کا فائدہ کیا۔ اُس کا تو خرچ مفت کا انسانوں پر پڑتا ہے۔ پس دودھ والی گائے کوئی عقلمند ذبح نہیں کرتا۔

پھر ان کا یہ قول بھی غلط ہے۔ کہ گائے کا دودھ بیماروں کو مفید ہوتا ہے۔ حالانکہ بیماروں کے لئے بکری کا دودھ بھی مفید اور لابھدائک ہوتا ہے۔ کیا کسی آریہ سماجی دوست کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ ایسا مفید جانور جو کہ ہزاروں کی تعداد میں روز ذبح کئے جاتے ہیں۔ ان کی جان بچانے کے لئے ایک بکری شالہ کھولی جاوے۔ پس جب یہ بات نہیں ہے۔ کہ آریہ سماج گئو شالہ تو بناوے۔ اور بھینس شالہ بکری شالہ کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کرے۔ کیونکہ یہ سارے جانور کیا بلحاظ دودھ اور کیا بلحاظ اور فائدوں کے یکساں ہیں۔ پس ان باتوں سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آریہ سماج میں ایشور کی جگہ گائے پرستی نے لی ہے۔ پھر بیماروں کے لئے سب سے بڑھ کر مفید اور آرام پہنچانے والا گدھی کا دودھ ہے۔ جس پر تمام ویدوں کا اتفاق ہے۔ مگر افسوس۔ کہ آریہ سماجی دوستوں نے اس کی شالہ بنانے کی طرف ابھی تک توجہ نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانور جس کا دودھ سینکڑوں بیماریوں کا ستیاناس کرتا ہے اس جانور کی رکھشا کرنی ہر ایک آریہ سماجی کا کرتویہ ہے۔ مگر گدھی کو دیکھو۔ کہ کمہاروں سے کس قدر نالاں ہے۔ اور رات دن بیچاری کی پشت بوجھ اٹھا کر ٹوٹی جاتی ہے۔ اور چوتڑوں پر ڈنڈے کھاتی ہے۔ مگر اس کی رکھشا نہیں کیجاتی۔

سب جیوانوں میں ایک روح ہے

ایک اور بات آریہ سماجی پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ گائے کے مارنے سے جیو رکھشا جو کہ ہمارا دھرم ہے وہ قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر ایک آریہ سماجی کا یہ دھرم ہے۔ کہ وہ جیو رکھشا کے لئے اپنے پران بھی دیدے۔ خواہ وہ گائے ہو۔ خواہ بکری یا بھینس یا مرغ یا گیہوں چنے اور گھاس وغیرہ کیونکہ بقول سوامی دیانند ان کے اندر بھی وہی جیو پایا جاتا ہے۔ جو ایک دیانندی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے قالب میں ہے۔ لیکن روزانہ آریہ سماج لوگوں کو یہ چیزیں استعمال کرتی ہوئی دیکھتی ہے۔ اور ہرگز اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوتا۔ کہ ہم نے جیو رکھشا کرنی ہے۔ پس اس پرکار کی باتیں ظاہر ہیں۔ کہ یہ آریہ سماج کی پکھشپات ہے کہ ایک جان کی تو رکھشا کرنے کے لئے اپنے پران تک تیاگنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور باقی جانداروں کو جن میں بقول ان۔ کے اسی طرح کی روح موجود ہے۔ جب تکلیف ہوتی دیکھتی ہے۔ تو ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ پس آریہ سماج کی توحید صرف دکھاوے کی ہے۔ اور بجز زبانی جمع خرچ کے اسکی کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ آریہ سماج گائے کو ایک ایسی اعلیٰ ہستی تصور کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایشور کو بھی بعض حالات میں اس کے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ تو پھر توحید کیسی؟

حکومت اور گاؤکشی

ہاں ایک طریقہ ہے۔ کہ اس سے جیو رکھشا بھی ہو سکتی ہے۔ اور گائے کا ذبح ہونا بھی بہت حد تک رک جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ سماجی دوست گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کر کے تمام بوچڑ خانے جو کہ انگریزوں کے کھانے کیلئے کھولے گئے ہیں۔ جن میں روزانہ ہزاروں گائیں جو کہ خوب موٹی تازی ذبح کی جاتی ہیں بند کرانے کی کوشش کریں۔ تاکہ ہندوستان میں پھر وہی پراچین سمے کی گائے اور اسی پرکار کے دودھ کی نہریں بہتی نظر آویں۔ نہ کہ صرف غریب مسلمانوں پر یورش کریں۔ کہیں تو ان کے مذبحے گرائے جاتے ہیں۔ اور کہیں نہتے مسلمانوں پر اینٹ پتھر برسائے جاتے ہیں۔ کہیں مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ غرض ان کو ہر طرح سے کشٹ دیئے جاتے ہیں۔ پس واحد طریقہ آریہ سماج اگر جیو رکھشا کا کر سکتی ہے۔ تو یہی ہے۔ جو کہ میں نے آپ کی سیوا میں عرض کیا ہے۔ لیکن میرا جہاں تک وچار ہے۔ آریہ سماج ہرگز اس طریقہ پر عمل کرتی ہوئی نظر نہیں آوے گی۔ ان کے دھرم میں اس جاندار حیوان کی حفاظت کرنی پرم دھرم ہے جس کو مسلمان ذبح کریں اور جو چھاؤنیوں وغیرہ میں ذبح کی جاتی ہیں۔ ان جیووں کی رکھشا کرنا آریہ سماج کے اصول میں نہیں ہے۔

آریہ قوم اور چرم فروشی

پھر ایک اور طریقہ ہے۔ کہ اگر آریہ سماجی دوست اس پر عمل کریں۔ تو مجھے پورن وشواش ہے۔ کہ بھارت ورش میں یقیناً گائے کا ذبح ہونا کم ہو جاوے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آریہ سماجی دوست اس بات کا عہد کریں۔ کہ وہ آج سے نہ جوتے پہنینگے۔ اور نہ ہی اور کوئی چمڑے کی چیز استعمال کریں گے۔ بلکہ اپنے پرانے زمانہ کے رواج کے مطابق ننگے پاؤں پھرا کرینگے۔ اگر آج ہمارے آریہ دوست یہ بات شروع کر دیں۔ تو یقیناً وہ گائیں جو کہ چمڑے کی خاطر ذبح کی جاتی ہیں۔ بہت حد تک کم ہو جاویں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اکثر آریہ سماجی دوست بوٹوں اور جوتیوں وغیرہ کی دکانیں کرتے ہیں۔ اور اب تو کثیر آریوں نے چمڑے کے بیوپار میں بھی شرکت شروع کر دی ہے۔ ان کو چاہیئے۔ کہ وہ اس سے رکیں کیونکہ ان کو کیا پتہ ہے۔ کہ یہ بوٹ جس کو وہ ہاتھ سے پکڑ کر گاہک کو دے رہا ہے۔ کس کھال کا بنا ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک میرا وچار ہے اور مجھے پورن وشواش ہے۔ کہ ہمارے آریہ سماجی دوست اس سے ہرگز باز نہیں آئیں گے۔ پس جب یہ حالت ہے۔ تو ہم مجبور ہیں۔ کہ ہم یہ نتیجہ نکالیں۔ کہ یہ صرف غریب مسلمانوں کو تباہ کرنے کی چالیں ہیں۔ جو کہ آریہ سماجی گائے کی رکھشا کا بہانہ بنا کر آئے دن فساد کرتے اور کراتے ہیں۔ آریہ سماج غور کرے۔ اور سمجھے کہ آخر یہ گائے وغیرہ جو کہ مسلمانوں کے پاس آتی ہیں۔ کہاں سے آتی ہیں۔ کیا آریہ سماج نہیں جانتی۔ کہ بوچڑوں کے ہاتھ فروخت کرنے والے ان کے اپنے بھائی ہیں۔ جو کہ ایک نکمی گائے کو جو نہ دودھ دیتی ہے۔ اور نہ ہی بچہ دیتی ہے۔ بوچڑوں کے پاس سستی سی قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ اور قیمت لے کر اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ یہ بوچڑ جا کر اس گائے کو ذبح کرینگے۔ پس آریہ سماج کو چاہیئے۔ کہ پیشتر اس کے کہ مسلمانوں کے مذبحے گرائے۔ اس کو پہلے گھر کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ کمزور اور ضعیف گایوں کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت نہ کیا کریں۔ ہندا یہ چند باتیں ہیں۔ کہ اگر آریہ سماج چاہتی ہے۔ کہ ہندوستان سے گائے کا ذبح ہونا کم ہو جاوے۔ تو اس کا ایک ہی علاج ہے جو کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ اس کے بغیر نہ جیو رکھشا ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی ہندوستان سے گائے کا ذبح ہونا کم ہو سکتا ہے۔

انت میں میری پرارتھنا ہے۔ کہ اے آریہ سماجی دوستو اپنے دل سے اس زعم باطل کو نکال دو۔ کہ ہم زبردستی غریب مسلمانوں سے ان کے جائز حقوق چھین لیں گے۔ یہ آپ کا خواب ہے۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مسلمان اپنے جائز حقوق کیلئے اپنے پران تک دینے کو تیار ہیں۔ لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے کھانے اور پینے کا انحصار دوسرے لوگوں کی رضامندی پر ہو۔ پس خدا کے لئے ملک میں ان بید اکرنے والے بنو۔ اور خواہ مخواہ ملک کے امن کو خطرہ میں نہ ڈالو۔ آخر آپ کی سختیاں کہاں تک مسلمان برداشت کرتے رہیں گے۔ خدا کے لئے غور اور فکر کرو کیونکہ انگریزی راجیہ میں ہر ایک انسان کو مذہبی آزادی ہے۔ جس طرح چاہے وہ اپنے دھرم کی اگیا انوسار اپنے کرتویہ کا پالن کرے۔ پس کسی جاتی کا کوئی حق نہیں ہے۔ کہ اس کے مذہب میں دخل دیوے۔ ہر شخص کو اپنے اپنے دھرم کی اگیا پالن کرنے کا ادھیکار ہے۔ پس مسلمان بھی اپنے حقوق کسی قوم کے ڈر اور رعب کی وجہ سے ہرگز چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں۔ اور نہ چھوڑینگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت بخشے۔ آمین۔

(محمد عمر (مولوی فاضل) سابق یوگندر پال شرما)

اطلاع

ششماہی وی پی۔ چندہ بھیجے گئے ہیں۔ احباب ان کو وصول کر کے ثواب حاصل کریں۔ واپس کر کے نقصان نہ دیں۔

(مینجر)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے واقعہ کو بیان کرنے سے کیا غرض ہے؟

دنیا میں جب ہم غور کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے تین قانون نظر آتے ہیں۔ ایک قانونِ شریعت جو توریت۔ زبور۔ انجیل اور قرآن شریف وغیرہ میں موجود ہے۔ نجات کے لئے اس کا علم حاصل کرنا انسان کا فرض ہے۔ اس قانونِ شریعت کا سمجھنا اور اسکی حقیقت تک پہنچنا انسان کے امکان میں ہے۔ جیسا کہ مثلاً اسلام نے سؤر کے گوشت سے منع فرمایا۔ تو ہم معلوم کرسکتے ہیں۔ کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ اسی طرح دوسرے احکام کی حقیقت بھی معلوم کرسکتے ہیں۔ تو یہ ایسا قانون ہے۔ کہ انسان اس کو معلوم کرسکتا ہے

دوسرا قانون قانونِ قدرت ہے۔ مثلاً ہوا کے فوائد۔ پانی کے فوائد۔ لوہے کے فوائد اور دیگر اشیاء کے خواص وغیرہ کا جاننا۔ اس قانون کا معلوم کرنا دنیا میں آرام سے زندگی گذارنے کے لئے ہے۔ جیسے سردی کے بچاؤ کے لئے اُون کا کپڑا بنانا وغیرہ۔ یہ دو قانون ایسے ہیں۔ کہ انسان ان تک پہنچ سکتا ہے۔ یعنی قانون شریعت کو دریافت کرنا عاقبت درست کرنے کیلئے اور قانون قدرت کا علم حاصل کرنا دنیا میں باآرام زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے ٭

ان دو قانونوں کے علاوہ ایک اور قانون ہے جس کو قانونِ قضاء قدر کہتے ہیں۔ اس کا معلوم کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ مثلاً ایک بڑا نیک آدمی ہے۔ اس کی آنکھیں دُکھنے لگتی ہیں۔ اندھا ہو جاتا ہے۔ لوگ حیران ہوتے ہیں۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ نیک تھا۔ پھر اس طرح ہو گیا۔ اسی طرح ایک بد آدمی ہے شرارتیں کرتا ہے۔ لوگوں کو ستاتا ہے۔ اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ پس یہ ایسا قانون ہے۔ کہ اس کی تہ تک نہ کوئی پہنچ سکا۔ اور نہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس پر مصیبت آئے وہ ضرور بُرا اور خراب ہوتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایک بُرا آدمی بڑا عہدہ حاصل کرلیتا ہے۔ خطاب پاتا ہے۔ اور بڑی جاگیر پیدا کرلیتا ہے۔ اور ایک نیک شریف آدمی کو تکلیف پر تکلیف پہنچتی ہے۔ پس یہ قانونِ حوادث ایسا قانون ہے۔ جسکی تہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ بڑے بڑے عالم۔ حکیم اور فلاسفر اس کی وجہ سے بعض دفعہ حیران ہو کر خدا کے وجود میں بھی شک کرنے لگے ہیں ٭

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ۔ قرآن شریف میں اسی قانون (قضاء وقدر) کے حل کرنے کے لئے بیان کیا ہے۔ جس سے غرض یہ ہے۔ کہ جو حادثہ ہو یا مصیبت آئے۔ تو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ واقعی وہ نقصان کا موجب ہے۔ ہر ایک بات میں حکمت ہوتی ہے۔ اور کوئی نہ کوئی خیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے سہ

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنجِ کرم بنہادہ است

اس لئے ہم کو یقین کرلینا چاہیئے۔ کہ جو حادثہ ہوتا ہے۔ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ جس پر ہم کو اس وقت اطلاع نہیں ہوتی۔ اس کے یقین کرنے سے یہ موسیٰؑ اور خضرؑ کا واقعہ بھی حل ہو جاتا ہے مثلاً اگر ہم دیکھیں۔ کہ ایک شخص کا اکلوتا بچہ فوت ہو گیا۔ تو ہم کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اس کا مرنا اس کے والدین کے بھلائی کے لئے ہے۔ کیونکہ قانون قضاء و قدر میں کوئی نہ کوئی رحمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ سر جان میلکم جو تاریخ میں ایک مشہور شخص ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ جب میں ہندوستان میں آیا۔ تو ایک کلرک ہو کر آیا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ایک رزیڈنسی کی جگہ خالی ہوئی۔ میں نے اس عہدہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور درخواست دیدی۔ اوپر سے جواب آیا۔ آپ کی درخواست آنے سے آدھ گھنٹہ قبل ایک اور شخص کی درخواست آنے کی وجہ سے یہ عہدہ دیدیا گیا۔ سر جان میلکم کہتا ہے مجھے بہت صدمہ ہُوا۔ اور اپنے ڈیرہ پر واپس آکر باآواز بلند رونے لگا۔ اور اپنے جی میں کہا۔ کہ میں اتنی دُور سے چلکر یہاں آیا۔ اور جب میری ترقی کا وقت آیا۔ تو بجائے میرے کسی اور کو یہ عہدہ دیدیا گیا۔ پھر کہتا ہے۔ کہ خدا سے مجھے گلہ پیدا ہُوا۔ اور بدگمان ہو کر اس کے وجود میں شک کرنے لگا۔ کہ چند دنوں کے بعد افسرِ اعلیٰ کی طرف سے مجھے حکم آیا۔ کہ تمہیں رزیڈنسی کا عہدہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ پہلا شخص جو رزیڈنٹ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔

اس واقعہ سے اس کی درخواست کی نامنظوری کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ پہلے بے شک اس نے اپنی درخواست کی نامنظوری کو بُرا خیال کیا۔ اور خدا پر بدگمانی کی۔ مگر بعد میں اس کی حکمت معلوم ہوتے پر اس کو بہت خوشی ہوئی۔ اس کی پہلی درخواست کا نامنظور ہونا اس کے لئے مفید ہُوا۔ اگر پہلی دفعہ ہی اس کو یہ عہدہ مل جاتا۔ تو وہاں جا کر قتل ہو جاتا۔

پس یہی حال موسیٰؑ اور خضرؑ کے واقعہ کا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ پر اعتراض کیا۔ اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفسٍ الخ کہ تُو نے ایک پاکیزہ جان کو بغیر سبب کے کیوں قتل کر دیا؟ یہ ایک ایسا اعتراض ہے۔ جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر کیا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کے بچوں۔ بیویوں۔ بھائیوں اور بہنوں کو کیوں مارتا ہے؟

اس کا جواب وہی ہے۔ جو حضرت خضرؑ نے دیا۔ کہ اس کا مارا جانا ہی بہتری کا موجب ہے۔ اگر زندہ رہتا۔ تو ان یرھقھما طغیاناً وکفراً الخ والدین کو مصیبت میں ڈالتا۔ مثلاً لوگوں کو تنگ کرنا۔ کسی سے لڑنا جھگڑنا۔ والدین محبت میں آکر حمایت کرتے۔ لوگوں سے جھگڑتے۔ اس کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے جھوٹ بولتے۔ ایمان ضائع ہوتا۔ گنہگار ہوتے ٭

حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ میری ایک دو سالہ لڑکی بیمار ہوئی۔ علاج کیا اچھی نہ ہوئی۔ اس کے مرنے کے وقت میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک کچی دیوار ہے۔ جو گرنے کے قریب ہے۔ ایک

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فرشتے نے لات ماری۔ وہ دھڑام سے گر پڑی۔ فوراً میری آنکھ کھلی۔ اور میں نے پوچھا کہ لڑکی کیسی ہے۔ معلوم ہوا فوت ہوگئی ہے۔ فرماتے تھے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ اچھا ہوا جو مرگئی۔ اگر جوان ہوجاتی اور خدا نخواستہ کنچنی بن جاتی یا کسی کے ساتھ بھاگ جاتی تو کیسی رسوائی ہوتی۔ اگر اسوقت کوئی مجھ سے پوچھتا۔ کہ اس کا ایسی حالت میں جوان ہونا اور زندہ رہنا مطلوب ہے یا اس کا مرنا؟ تو اسوقت ضرور میں اس کی وفات کو ترجیح دیتا۔ لوگ ہمیشہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جی فلاں بڑا نیک تھا۔ ماں باپ کا ایک ہی لڑکا تھا۔ خدا نے اُس کو کیوں اُٹھا لیا۔ اُس کے بوڑھے ماں باپ پر رحم نہ آیا؟ مگر وہ خیال نہیں کرتے کہ حضرت خضرؑ پر بھی یہی اعتراض ہوا تھا۔ جس کا جواب انہوں نے دیا۔ کہ اس کے ماں باپ کے لئے اس کا مرنا ہی بہتر ہے۔ زندہ رہ کر وہ ان کو اس سے زیادہ مصیبت میں پھنساتا ؛

دوسرا اعتراض حضرت موسیٰؑ نے خضرؑ پر یہ کیا تھا۔ اخرقتها لتغرق اهلها الخ کہ تو نے اچھی بھلی کشتی کو تختہ اکھیڑ کر کیوں خراب کردیا؟ خدا تعالیٰ پر بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ ایک انسان اچھا بھلا ہوتا ہے۔ نابینا ہوجاتا ہے۔ ہاتھ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ گھر بھر میں وہی اکیلا کمانے والا تھا؟

پس ایسی حالت میں یقین کرلینا چاہیئے۔ کہ ضرور اس میں کوئی بھلائی مضمر ہے۔ یعنی اب تو صرف ایک ہاتھ ہی ٹوٹا ہے۔ ہوسکتا تھا۔ کہ بالکل جان سے مارا جاتا خیر گذری کہ ایک ہاتھ ٹوٹ گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی یہی اعتراض کیا تھا۔ کہ اچھی بھلی کشتی کو کیوں توڑ دیا۔ اور ناکارہ کردیا؟ حضرت خضرؑ نے جواب دیا۔ کہ آگے ایک بادشاہ ہے۔ اس کے کارندے اچھی اچھی کشتیاں جبراً لے لیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے اس کا ایک تختہ توڑ دیا ہے۔ اب وہ اس کو خراب جانکر نہ لیں گے۔ یہ غریب لوگ واپس آکر ٹھیک کرلیں گے۔ اور محنت مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالیں گے۔ اب تو اُس کا صرف ایک تختہ خراب ہوا ہے۔ اس وقت ساری کشتی ہاتھ سے جاتی۔ اور ان غریب لوگوں کو اس سے بہت زیادہ تکلیف پہنچتی جو اب ایک تختہ کے خراب ہونے سے پہنچی ہے۔ اسکی مثال آج کل ایسی ہے جیسے سرکاری حکم ہو۔ کہ موٹریں مہیا کرو۔ تو پولیس والے اچھی اچھی موٹریں زبردستی لے لیتے ہیں۔ تو خراب موٹروں والے پھر خوب کماتے ہیں۔ کیونکہ دوسری موٹریں نہیں ہوتیں ؛

اس کی ایک مثال علامہ حضرت حافظ روشن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جب آپ کی آنکھیں خراب ہوئی ہونگی۔ تو یقیناً والدین نے خیال کیا ہوگا۔ کہ بڑا بدقسمت ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کا حفظ کرنا۔ علم دین حاصل کرکے خدمت اسلام کرنا۔ صرف اسی حادثہ سے آپ کو نصیب ہوا۔ حافظ صاحب مرحوم نے خود ایک دفعہ بیان کیا تھا۔ کہ اگر میری آنکھیں درست ہوتیں۔ تو اپنے دوسرے رشتہ داروں کی طرح انگریزی پڑھ کر وکیل بن جاتا۔ اور اس طرح دنیا کے کام دھندوں میں پھنسکر دین سے بے بہرہ رہتا۔ اسلام اور احمدیت بھی نصیب نہ ہوتی۔ صرف آنکھوں کے حادثہ سے مجھے یہ ترقی حاصل ہوئی۔ بخاری شریف میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک حبشی عورت آیا کرتی تھی۔ اور باتیں کرتی رہتی۔ جب جانے لگتی تو ہمیشہ یہ شعر پڑھتی ؎

ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا
علی انہ من بلدۃ الکفر انجانی

آخر ایک دن حضرت عائشہؓ نے اس سے پوچھا۔ تمہارا اس شعر کے پڑھنے سے کیا مطلب ہے؟ اس نے بتایا۔ میں ایک امیر کے ہاں لونڈی تھی۔ ایک دفعہ ایک سونے کا ہار وہاں گم ہوگیا۔ انہوں نے میرے اوپر الزام لگایا۔ اور میری تلاشی لی۔ یہاں تک کہ میری شرمگاہ تک کو بھی دیکھا۔ جب وہ دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک چیل آئی۔ اور اس نے اوپر سے وہی ہار گرایا۔ وہ کہتی ہے۔ مجھے انکی اس حرکت سے بہت تکلیف ہوئی۔ اور پھر ان لوگوں سے سخت نفرت ہوگئی۔ اور میں ان کے پاس سے چلی آئی۔ کسی نے خبر دی۔ کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے۔ جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ میں تحقیق کے لئے یہاں آئی۔ خدا نے میرے اوپر فضل کیا۔ اور مسلمان ہوگئی ؛

دیکھو اگر اس لونڈی کے ساتھ یہ واقعہ نہ ہوتا تو نہ وہ وہاں سے بھاگتی۔ اور نہ اس کو اسلام جیسی نعمت ملتی ؛

حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے تھے۔ میرے ہونٹ موٹے تھے۔ جوانی میں جب میں شیشہ دیکھتا۔ تو اپنے موٹے ہونٹ دیکھکر بہت آزردہ ہوتا۔ اب جبکہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ تو مجھے ان کی حکمت معلوم ہوئی ہے۔ کہ میرے دانت گر گئے ہیں۔ مگر پھر بھی اچھی طرح تقریر کرسکتا ہوں۔ اور درس دے سکتا ہوں۔ اگر پتلے ہونٹ ہوتے۔ تو الفاظ پر ہوا کے سبب قابو نہ ہوتا۔

اسی طرح انگریزی اور عربی کی ریڈروں میں ایک قصہ لکھا ہے۔ کہ ایک بارہ سنگا پانی میں اپنی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھکر بڑا افسردہ ہوا۔ اور جب اپنے سینگوں پر نظر کی۔ تو دیکھکر بڑا خوش ہوا۔ اتفاق سے شکاری کتے آگئے۔ اس نے بھاگنا شروع کیا۔ اور ٹانگوں کے ذریعہ کئی میل تک بھاگتا رہا۔ راستہ میں جھاڑیاں آگئیں اپنے خوشنما سینگوں کے سبب اُن میں پھنس گیا۔ اور کتوں نے اُسے پکڑ لیا۔ اور مار ڈالا۔ دیکھو جس چیز کو وہ اپنے لئے اچھا سمجھتا تھا۔ وہ اس کے لئے مہلک ثابت ہوئے ؛

پس قضاء و قدر کے قانون کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ بعض دفعہ ایک چیز کو ہم مفید خیال کرتے ہیں۔ لیکن وہ نقصان دہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور جس کو ہم نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے مفید ثابت ہوتی ہے۔ بسا اوقات انسان چاہتا ہے۔ کہ اس کو جلدی منافع حاصل ہوں۔ اور نہیں ہوتے۔ شادی کرتا ہے اور پہلے سال خواہش اور کوشش کے باوجود اولاد نہیں ہوتی۔ دس سال کے بعد ہوتی ہے۔ تجارت کرتا ہے دیر سے چلتی ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ اس کے حل کے لئے حضرت خضرؑ کے بلا اجرت دیوار بنا دینے کے واقعہ پر غور کرو۔ سوال ہوتا ہے۔ اگر حضرت خضر دیوار گرنے دیتے اور اس کو درست نہ کرتے۔ تو یتیم بچوں کا خزانہ نکل آتا جو اُس وقت اُن کے کام آتا۔ اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تکلیف سے بچ جاتے۔ گو بظاہر یہ سوال ایک حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ خوف تھا۔ کہ اگر اب خزانہ نکل آیا۔ تو دوسرے لوگ اس کو لے لیں گے اور یتیموں کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ اس لئے ان یتیم بچوں کو دیر سے فائدہ پہنچانا بہتر ہے۔ بنسبت اس کے کہ اب ان کو خزانہ مل جائے۔ اس لئے حضرت خضرؑ نے دیوار کھڑی کر دی۔ کہ جب یہ جوان ہوں گے۔ تو یہ ان کے کام آئیگا۔

پس اگر دیر سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہے۔ ممکن ہے۔ کہ اگر وہ نفع پہلے حاصل ہو جاتا۔ تو تکبر آجاتا۔ یا کوئی اور مصیبت آجاتی۔

(الراقم صلاح الدین متعلم احمدیہ کالج قادیان)

پیغامی مشن

مولوی محمد علی صاحب کی شخصیت

مندرجہ ذیل وہ اشتہار ہے۔ جو جماعت احمدیہ راولپنڈی نے پیغامیوں کے شاندار جلسہ پر شائع کر کے ان کی حقیقت کو پبلک پر ظاہر کیا تھا۔ (ایڈیٹر)

حضرات! ہم آپ کا تعارف مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبایعین سے کرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ آپ پر انکی پوزیشن واضح ہو جائے۔ یہ صاحب ایک عرصہ دراز تک حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے پہلو بہ پہلو بیٹھکر آپؑ کے دعویٰ نبوت کی تبلیغ واشاعت کرتے رہے اور ببانگ دہل حضرت موصوف کو نبی۔ رسول۔ پیغمبر آخر الزمان اور کیا کیا لکھتے رہے۔ یہاں تک کہ آنجناب علیہ السلام اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اُن کے بعد حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ صاحب خلیفہ مقرر ہوئے۔ مولوی محمد علی صاحب نے بمع رفقاء ان کی بیعت کا بھی شرف حاصل کیا۔ مگر گردشِ ایام دیکھیئے۔ کہ خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات پر آپ کے دل میں حصولِ خلافت کا شوق چرایا۔ خلیفہ تو اللہ تعالےٰ بناتا ہے۔ اور جس کو اُس نے پسند کیا۔ بنا دیا۔ ہاں مولوی صاحب کے حصہ میں حرماں نصیبی مایوسی اور ناکامی آئی۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس شدید صدمے سے آپ کا دماغی توازن قائم نہ رہا۔ آپ سے دانستہ یا نادانستہ ایسی حرکات صادر ہونی شروع ہو گئیں۔ جو کسی شریف آدمی سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔ گویا مولوی صاحب پر ایک انقلاب آگیا۔ مگر آہ! یہ تغیر نیک نہ تھا۔ یہ تبدیلی خوش کن نہ تھی۔ مگر بوجہ بلندی سے گرنے کے آپ کا شیشۂ ایمان چکنا چور ہو گیا۔ آپ نے اس مقدس وجود کے مسکن کو خیر باد کہدیا۔ جس کو آپ ساری زندگی نبی نبی پکارتے رہے تھے۔ آپ قادیان میں صدر انجمن احمدیہ کے ملازم تھے۔ آپ کو ترجمۃ القرآن کی ڈیوٹی سپرد کی گئی۔ جس کے لئے حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ صاحب مکمل ہدایات اور نوٹس لکھاتے تھے۔ اور یہ تفسیر قرآن جو حضرت مولوی نورالدین صاحب نے لکھائی۔ اور مولوی محمد علی صاحب نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت میں اسکی تالیف کی من کل الوجوہ صدر انجمن احمدیہ کی ملکیت تھی۔ مگر مولوی محمد علی صاحب کی دیانت وامانت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ نے اس قومی پراپرٹی پر قبضہ غاصبانہ جما لیا۔ تا آپ مفسر قرآن مشہور ہو جاویں۔ اور اس کی فروخت کی آمدنی سے اپنی جیب بھی بھریں۔

پھر مولوی محمد علی صاحب کے اخلاق میں افسوسناک تبدیلی آپ کے اس فعل سے ہی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ کہ جو بیش بہا لائبریری صدر انجمن احمدیہ قادیان نے بغرض مطالعہ آپ کے سپرد کر رکھی تھی۔ آپ قادیان سے آتے وقت بطور مستعار لاہور لے آئے۔ اور وہ آج تک واپس نہیں کی۔ ضرور تھا۔ کہ آپ کو ناکامی ونامرادی آپ کے جذبۂ غیظ وغضب کو ابھارتی۔ اور جس تخت پر متمکن ہونے کی آرزو وتمنا آپ کے دل میں جاگزیں تھی۔ اور جس کے حصول کے لئے آپ بمعہ رفقا منظم سازش بھی کرتے رہے۔ اُس سے محرومی۔ رنگ لاتی۔ چنانچہ آپ نے اپنے جامہ طمانیت ولباس تقویٰ وطہارت اتار کر پھینک دیا۔ اور خدا کے مقرر کردہ خلیفہ سے برسرپیکار ہو گئے۔ اور اس وقت سے آپ کی یہی روش ہے۔ اور اس مشن کے اخراجات کی فراہمی کی صورت بھی آپ نے ایجاد کر لی ہے۔ یعنی یہ کہ اپنے پہلے عقائد کا اخفاء اور مخالفین سے ظاہری طور پر ہاں میں ہاں ملانا۔ اور اس طرح اشاعت اسلام کی آڑ میں طلب زر کرنا۔ اس طرح ایک معقول ذریعہ معاش بنا کر حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اور وہ مقدس وجود جس کو نبی رسول اور پیغمبر آخر الزمان کہا کرتے تھے۔ اسی کے لخت جگر پر تیر باری اپنا حقیقی مقصد قرار دے لیا۔ آہ کیا ظلم ہے۔ جس کے مولوی صاحب مرتکب ہو رہے ہیں ؎

تیر بر معصوم می بارد خبیث بدگوہر
آسمان رامی سزد گر سنگ بارد بر زمیں

ہاں تعارف نامکمل رہے گا۔ اگر آپ کے حسب ونسب پر روشنی نہ ڈالی جائے۔ بقول اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ایڈیٹر پیغام صلح ”آپ حضرت معاویہ کی ذریت سے ہیں“۔ ماشاءاللہ آپ کے مورث اعلیٰ تاریخ اسلام میں جنگ کربلا کے سلسلہ میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اور غالباً اپنی خاندانی روایت کو تازہ کرنے کے لئے آپ نے اپنا موجودہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور حضرت محمود جوان۔ کے پیر ومرشد کے لخت جگر ہیں۔ اور ایک سیدہ کے بطن سے ہیں۔ وہ آپ کے تیر وتفنگ کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اور مولوی محمد علی صاحب کی مقتضائے طبیعت کے تختہ مشق۔ آہ کاش چشم انصاف وا ہوتی۔ تا تاریخ اسلام کا یہ واقعۂ فاجعہ وسانحۂ ہائلہ اپنا المناک اعادہ نہ کرتا۔

غیر مبایعین کے عقائد باطلہ

حضرات! آج ہم آپ کو غیر مبایعین کے چند ایسے عقائد بتلاتے ہیں۔ جن کے اظہار سے یہ لوگ بہت گھبراتے ہیں۔ تا ایسا نہ ہو۔ کہ مسلمان ان کے کاسۂ گدائی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں ازراہِ سخاوت درم و دینار ڈالنے کی بجائے اظہار نفرت کے طور پر اُس میں تھوک ڈالیں۔ کیونکہ خلاف اسلام کوئی عقیدہ کسی مسلمان کے پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ فرمایا ہے ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

غیر مبایعین کے عقائد باطلہ سے مشتے از خروارے ولادت مسیح کا مسئلہ پیش کرتا ہوں۔ حضرت میرزا صاحب جن کو مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء ہمیشہ نبی و رسول پیش کرتے رہے۔ اور اب ان الفاظ کو بدل کر خدا تعالےٰ کا بھیجا ہوا۔ خدا تعالےٰ کا فرستادہ مامور من اللہ۔ مسیح موعود اور مہدی معہود پیش کرتے ہیں۔ اُن مذہب ولادت مسیح کے متعلق یہی تھا۔ جو جمہور اسلام کا ہے۔ یعنی یہ کہ از روئے قرآن کریم مسیح ناصری علیہ السلام خدائے قادر مطلق کی قدرت نادرہ کے ماتحت بن باپ پیدا ہوئے۔ آپ نے اس عقیدہ پر اتنا زور دیا۔ کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ؛

مگر آج مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے رفقاء باوجود حضرت میرزا صاحب کی تابعت کا دم بھرنے کے ان کی صریح مخالفت کر رہے ہیں۔ اور خلاف منشاء قرآن مسیح ناصری کو باباپ ثابت کرنے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

پھر حضرت سید الرسل خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو جس مسیح کی بشارت دی ہے۔ اُس کے متعلق جمہور اسلام کا متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ وہ از روئے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر اس کو نبی کا خطاب دیا ہے۔ اور نیز یہ کہ وہ اسلام کو از سر نو قائم کرے گا۔ ایمان کو ثریا سے لائے گا۔ گویا مسلماں را مسلماں باز کردن" کا کام سرانجام دے گا۔ اور اس کا انکار کفر ہوگا۔ اور خدا اور رسول کی ناراضگی کا موجب۔ مگر برخلاف اس کے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقا باوجود حضرت میرزا صاحب کو مسیح موعود اور مہدی معہود تسلیم کرنیکے یعنی یہ اعلان کرنے کے کہ آپ وہی مسیح ہیں۔ جن کی آمد کی خوشخبری قرآن اور حدیث میں دی گئی تھی۔ اور وہی مہدی ہیں۔ جن کے نزول کے متعلق احادیث نبویہ میں جا بجا ذکر ہے۔ پھر یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ آپ غیر نبی ہیں اور محض مجدد۔ حالانکہ دنیائے اسلام کا یہ متفقہ اور مسلمہ عقیدہ ہے۔ کہ آنے والا مسیح اور مہدی نبی اور رسول ہوگا +

لہذا اب

ہر مسلمان کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ انسے پوچھے

کہ حضرت! اس تضاد کے کیا معنی؟ ایک طرف تو ایک شخص کو خدا تعالےٰ کا فرستادہ۔ اُس کا بھیجا ہوا۔ مامور من اللہ۔ مسیح موعود و مہدی معہود یقین کرنا۔ اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی۔ اور آپ کی بشارت کا مصداق ٹھہرانا۔ اور اس کی اطاعت کو مدار نجات جاننا۔ اور دوسری طرف یہ کہنا۔ کہ اُسکے ماننے یا نہ ماننے میں چنداں فرق نہیں۔

ایں چہ بوالعجبی است

ایسے عقائد کی بطالت بالبداہت ظاہر ہے۔ دراصل یہ لوگ سادہ لوح مسلمانوں کے ساتھ ظاہری طور پر ہاں میں ہاں ملا کر انکی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے ان کا مقصد ع

زبدہ سخن در ہیں است

کے بغیر اور کچھ نہیں۔ لہذا

ہمارا فرض

ہے۔ کہ عام مسلمانوں کو ان کی عیاری اور منافقت سے آگاہ کر دیں۔ تاکہ وہ ہوشیار رہیں۔ اور اپنے اموال کی نگہبانی اور اپنے گانٹھ اور کھیسہ کی حفاظت کریں +

قوم کی بدقسمتی اس سرکشی سے کھل گئی
پر وہی ہوتا ہے جو تقدیر سے پایا قرار
عمر کے بل چل رہی ہے انکی گاڑی روز و شب
نفس شیطاں نے اٹھایا ہے انہیں جیسے کہار
لاف زہد و راستی اور پاپ ہے دل میں بھرا
ہے زباں میں سب شرف اور پیچ دل جیسے حمار

اے عزیزو اکب تلک چل سکتی ہے کاغذ کی ناؤ
ایک دن ہے غرق ہونا با دو چشم اشکبار

(ملک عزیز احمد عفی عنہ وائس پریذیڈنٹ انجمن شبان الاحمدیین راولپنڈی۔)

ہمارا نبی

(گذشتہ سے پیوستہ)

سوال ۸۲ :۔ جنگ حنین کے حالات بیان کرو ؛

جواب :۔ فتح مکہ سے واپسی پر مسلمانوں کو راستہ میں حنین کے مقام پر جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ ثقیف، ہوازن اور بنو ہاشم وغیرہ قبائل کے جرار لشکروں سے واسطہ پڑا۔ ان قبائل نے اپنے خیال میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک آخری مہلک ضرب لگانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اور جس جوش اور غضب سے انہوں نے لشکر کشی کی تھی۔ اوس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ عورتوں، بچوں، مال اور اسباب اور مویشیوں تک بھی اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے آئے تھے۔ تاکہ لوگ خوب لڑیں۔ اُدھر مسلمانوں میں اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے فخر و عجب کے خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ دشمن نے غلبہ پا لیا۔ اور اسلامی فوج بدحواس ہو کر پراگندہ ہو گئی۔ تمام میدان خالی ہو گیا۔ محض آنحضرت صلعم (فداہ ابی و امی) دشمنوں کی زبردست فوجوں میں اپنی جگہ پر قائم تھے۔ اسلامی فوجوں کو پراگندہ دیکھ کر حضورؐ نے باواز بلند فرمایا۔ ایہا الناس انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ لوگو میری طرف آؤ میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ اس آواز سے مسلمانوں نے پورے زور سے مدافعت کی۔ یہاں تک کہ دشمن کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور دشمن کو شکست ہوئی ؛

سوال ۸۳ :۔ عام طور پر جو لوگ غلطی سے کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ اس کا جواب دو۔ اور نیز یہ کہ اسلامی جنگ کیوں کئے گئے ؛

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جواب:- معمولی سمجھ کا آدمی اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈال کر یہی فیصلہ کرے گا۔ کہ اس وقت مذہب اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ مظلوم کوئی نہ تھا۔ چنانچہ اس بات کی تائید میں وجوہ مفصلہ ذیل ہیں:-

(۱) خدائے واحد کی پرستش سے روکنے والوں کے خلاف مسلمانوں نے تلوار اٹھائی تو درکنار بلکہ اپنے عزیز وطن (مکہ) کو چھوڑنا اختیار کیا ؛

(۲) قوم سے زخم کھا کر کوئی لڑائی نہیں کی۔ بلکہ دلسوزی سے سیدھے راستہ کی طرف بلایا گیا۔ جیسا کہ طائف کے مقام پر باوجودیکہ وہاں کے شریروں کی بیجا زیادتی کے کہ آنحضرت صلعم کو اینٹوں و پتھروں سے زخمی کر دیا۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ کہ آپ کا منشا ہو۔ تو طائف کی تمام بستی کو الٹ دیا جاوے مگر رسول کریم صلعم نے یہ پسند نہ فرمایا۔ بلکہ بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ کہ ان لوگوں کو سمجھ عطا کیجاوے۔ (کیا تلوار اٹھانے والوں کی یہ حالت ہوتی ہے؟)

(۳) مکہ سے دشمنان دین ڈھائی صد میل کے قریب فاصلہ طے کر کے حملہ کرتے ہیں۔ تب ان کو روکا گیا۔ (کیا اس کو تلوار اٹھانا کہا جا سکتا ہے؟؟)

(۴) فتح مکہ کے بعد قصور واروں کے قصور معاف کئے جاتے ہیں۔ اگر تلوار سے اسلام پھیلایا جاتا۔ تو جنہوں نے طرح طرح کے ظلم کئے تھے ان کو چھوڑ دیا جاتا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کو سخت سے سخت سزا دی جاتی۔ مگر نہیں ان کے قصور معاف کئے گئے ؛

(خاکسار عبد المجید خاں)

مسلمانوں کی خدمت میں ایک عرض
ناظم شباب المسلمین بٹالہ کی چالاکی

صغرت عن المدیح فقلت اتھجی
کأنک ما صغرت عن الھجاء

ابو الطیب متنبی مشہور شاعر کا یہ ایک شعر ہے۔ جس میں وہ ایک شخص کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ تو مدح کے تو لائق نہ تھا۔ اس لئے تو نے اب یہ چاہا کہ تو میرا مخالف بنکر ہجو اور مذمت کا ہی استحقاق حاصل کرے۔ اور اپنے نام کو اس طرح پر شہرت کرے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ تیرا یہ خیال بھی باطل ہے۔ کیونکہ تو ایسا ذلیل اور خوار ہے۔ کہ تو ہجو اور مذمت کے بھی لائق نہیں ہے۔ سو بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جب وہ اپنے اندر کوئی جوہر اور قابلیت نہیں رکھتے۔ جس سے وہ شہرت حاصل کریں۔ تو وہ اپنے ہی قابل قدر بھائیوں کی مذمت اور برائی اور بدگوئی بیان کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے اگرچہ وہ کوئی تحسین تو حاصل نہیں کر سکتے۔ مگر اخباروں میں اپنا نام دیکھکر دو چار روز خوش ہو بیٹھتے ہیں۔ جیسا کہ "ناظم شباب المسلمین بٹالہ" کا وہ ناپاک پروپیگنڈا۔ اور بغض و حسد کا زہریلا مادہ ہے۔ جو اس نے احمدی جماعت کے خلاف اگلنا شروع کر رکھا ہے ؎

امید عار بود آدمی بخیر کساں
مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

پس تمام مسلمانوں کی خدمت میں بصد احترام یہ عرض ہے کہ وہ اس وقت ایسی لغو اور بیہودہ۔ اور آپس میں نفاق اور شقاق ڈالنے والی باتوں سے بکلی اجتناب اور پہلو تہی کریں۔ اور اپنی تمام کوشش اپنی تنظیم میں صرف کریں۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی وہ زریں ہدایات جو حضور مسلمانوں کی تنظیم کے لئے کر رہے ہیں۔ ان پر پوری طرح عمل پیرا ہو کر دشمن کو مایوس کر دیں۔ وما باللہ التوفیق

(ملک عبد اللہ خاں جامعہ احمدیہ قادیان)

شاردا بل پاس ہو گیا

یہ وہ قانون ہے۔ جو لڑکے اور لڑکیوں کی بیاہ شادی کے متعلق وائسرائے نے حال میں منظور کر لیا ہے۔ اور اس پر یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے عملدرآمد شروع ہو جائیگا۔ اس قانون کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

(الف) اس کا نام قانون انسداد شادی بچگان ہوگا۔

(ب) اس کا نفاذ تمام برطانی ہند میں ہوگا۔ جس میں برطانی بلوچستان اور سنتھال پرگنہ بھی شامل ہیں۔

(ج) اس پر عملدرآمد یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے ہوگا ؛

۲۔ (الف) اس قانون میں "بچہ" سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا اور ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی ہے۔

(ب) شادی بچگان سے مراد ایسی شادی ہے جس میں دولہا یا دلہن "بچہ" ہو ؛

(ج) فریقین شادی سے مراد وہ شخص ہیں۔ جنکی شادی ہو

(د) نابالغ سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا یا ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی ہے ؛

۳۔ جو مرد ۱۸ سال سے ۲۱ سال کی عمر کے درمیان کسی ایسی لڑکی سے شادی کریگا۔ جس کی عمر ۱۴ سال سے کم ہو۔ اسے ایک ہزار روپیہ کی سزا دیجائیگی ؛

۴۔ جو مرد ۲۱ سال سے زائد عمر میں ایسی شادی کریگا وہ ایک ماہ تک قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا ؛

۵۔ جو کوئی بچپن کی شادی کا انتظام کرے گا۔ یا اسکی رہنمائی کرے گا۔ یا رسم ادا کرے گا۔ وہ ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستحق ہوگا بشرطیکہ وہ یہ ثابت نہ کر سکے۔ کہ اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجوہ تھیں۔ کہ وہ شادی بچپن کی شادی نہیں تھی ؛

(الف) اگر کوئی نابالغ بچپن کی شادی کرے۔ تو وہ آدمی جو ماں باپ یا سرپرست یا کسی دیگر قانونی حیثیت سے اس نابالغ کا سربراہ ہو۔ اور جو اس شادی کیلئے کوئی کارروائی کرے یا شادی کی اجازت دے یا غفلت کی وجہ سے اس شادی کو منع نہ کرے۔ اسے ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا ملے گی۔ لیکن عورتوں کو قید کی سزا نہیں دیجائیگی ؛

(ب) بشرطیکہ یہ تصور کر لیا جائے۔ کہ شادی کرنے میں نابالغ کا سرپرست لاپرواہی کی وجہ سے شادی کو روکنے میں ناکام رہا ہے ؛

(۷) ۱۸۹۸ء کی جنرل کلاز ایکٹ کی دفعہ یا تعزیرات ہند کی دفعہ ۶۴ کے باوجود کوئی عدالت اس قانون

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی دفعہ ۳ کے مطابق کسی مجرم کو سزا دیتے ہوئے اسباب کی مجاز ہوگی۔ کہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ ملزم کو قید کی سزا دے سکے ؛

۸۔ ضابطہ فوجداری مجریہ ۱۹۲۸ء کی دفعہ ۱۹۰ کے باوجود پریذیڈنسی مجسٹریٹ یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سوا کسی بھی عدالت کو اس قانون کے ماتحت کسی بھی جرم کی سماعت یا اس میں دست اندازی کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۹۔ اس قانون کے متعلق کسی جرم کے بارے میں کوئی عدالت اس وقت تک غور نہیں کرے گی۔ تاوقتیکہ استغاثہ شادی کے بعد ایک سال کے اندر اندر دائر نہ کیا گیا ہو ؛

۱۰۔ اس قانون کے ماتحت جرم کی سماعت کرنیوالی عدالت بشرطیکہ وہ زیر دفعہ ۲۰۳ ضابطہ فوجداری استغاثہ کو خارج نہ کرے۔ یا تو خود ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۰۲ کی رُو سے تحقیقات کریگی۔ اور یا اپنے ماتحت کسی مجسٹریٹ درجہ اوّل کو ایسا کرنے کی ہدایت کریگی ؛

۱۱۔ (الف) مستغیث کا بیان لینے کے بعد اور ملزم کو حاضر عدالت ہونے کے لئے مجبور کرنے سے پہلے عدالت سوائے اس حالت کے جبکہ تحریری وجوہ دیگئی ہوں۔ مستغیث سے اس معاوضہ کی ادائیگی کے لئے جو زیر دفعہ ۲۵۰ فوجداری اس پر لازم ہو سکتا ہے۔ ایک سو روپیہ تک کی ضمانت کے ساتھ یا بلا ضمانت مچلکہ طلب کریگی۔ اگر وہ ضمانت عدالت سے مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر داخل نہ کی جائے۔ تو استغاثہ خارج کر دیا جائے گا ؛

(ب) اس قانون کے ماتحت جو مچلکہ لیا جائے گا۔ وہ ضابطہ فوجداری کے مطابق داخل کردہ مچلکہ جیسا سمجھا جائے گا۔ اور اس لئے اس پر ضابطہ فوجداری کا باب عائد ہوگا ؛

سے راستہ پر گامزن ہوتا ہے۔ تو اس کے خطرناک نتائج کا بھی صرف وہ اور وہ ہی ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ اور اس کا خمیازہ بھی صرف اسے ہی بھگتنا پڑیگا۔ چنانچہ مسٹر داس ناکام زندگی سے سخت میں ہاتھ دھو بیٹھے ؛ (رشی)

قربانی کو بدنام نہ کرو

مسٹر جیتن داس بھی ان ہزارہا گمراہ نوجوانوں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے انتہا پسندوں کے ورغلانے میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر ڈالا۔ اور جہاں آج ایک بہت بڑی تعداد نوجوانوں کی اپنے اس نازیبا و ناروا رویہ پر پچھتا رہی ہے۔ جو انہوں نے گذشتہ اور تباہ کن تحریکات میں اختیار کیا تھا۔ وہاں مرحوم مسٹر داس ایسے بہت سے ہونہار نہایت افسوس کا مقام ہے۔ کہ ان کی ضمیر فریب باتوں کا شکار اب بھی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

مرحوم مسٹر داس کی نیک نیتی ثابت قدمی عالی حوصلگی سے انکار کرنا دراصل ان کی صفات اعلیٰ کی حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اس طرح بے وجہ بھوکوں مر کر لفظ "قربانی" کو صریح بدنام کرنا ہے۔ اور اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ کہ بہت سے صدق دل سے ملکی سیوا کے دلدادہ قوم پرستی کو خیرباد کہہ کر یہ سوچ لیں کہ اب ہندوستانیوں میں جائز اور ناجائز قربانی کی تفریق کا مادہ قطعی نہیں رہا ہے ؛

مسٹر داس جیل میں گھر بلو خوراک و دیگر آرام کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اور اس ہی ہوس کے شہید ہو گئے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا کسی دوسرے ملک میں آج تک ایسا ہوا ہے۔ جیل کے طریق رہائش یا خورد و نوش میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرا سوال ہے مگر جو لوگ موجودہ حکومت وقت کے طریق کار سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ اس قسم کی تبدیلیوں کے لئے انفرادی طور پر جان جوکھوں میں ڈالنے کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت محض اس امر کی ہے۔ کہ مجموعی طور پر مشترکہ کوششوں سے شکایات حکام متعلقہ کے نوٹس میں لائی جاویں۔ اور انہیں اس قدر موقعہ دیا جاوے کہ وہ حکومت کی مشنری کو باضابطہ طریق پر حرکت دے سکیں۔ ماندین حالات ماننا پڑے گا۔ اگر کوئی شخص دیدہ و دانستہ غلط

تبدیلی اوقات

قادیان بٹالہ ریلوے

(۱) ۷ بجکر ۳۰ منٹ پر صبح قادیان سے روانگی۔
۹ بجکر ۳۰ منٹ پر امرتسر پہنچے گی ؛

(۲) ۳ بجکر ۵ منٹ پر بعد دوپہر قادیان سے روانگی۔
۴ بجکر ۱۳ منٹ پر بٹالہ پہنچے گی ؛

(۳) ۷ بجکر ۴۰ منٹ پر شام کو قادیان سے روانگی۔
۸ بجکر ۱۶ منٹ پر بٹالہ پہنچے گی ؛

---

(۱) ۵ بجکر ۵ منٹ پر صبح امرتسر سے روانگی۔
۷ بجے صبح قادیان پہنچے گی ؛

(۲) ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ دوپہر بٹالہ سے روانگی۔
۱۲ بجکر ۲۰ منٹ پر دوپہر قادیان پہنچے گی ؛

(۳) ۶ بجکر ۵ منٹ پر شام کو بٹالہ سے روانگی۔
۷ بجکر ۵ منٹ پر شام کو قادیان پہنچے گی ؛

کل تین گاڑیاں قادیان سے روانہ ہونگی۔ اور تین واپس آئینگی۔ جن میں سے صبح کی ایک گاڑی صرف امرتسر تک۔ اور امرتسر سے قادیان آئیگی۔ دو بٹالہ تک آتی رہینگی ؛

افغانستان ایک شخص کابل سے آیا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ ہاں بچہ سقہ واقعی قتل ہو گیا ہے اور اس کا بھائی حمید اللہ بادشاہ بن گیا ہے۔ لیکن بچہ سقہ کی قتل کی خبر کو دبا رکھا ہے۔ جو بھی یہ زبان پر لاتا ہے۔ کہ بچہ سقہ قتل ہو گیا۔ اسے گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ وہ تین آدمیوں کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سر بازار ہلاک کر دیئے گئے۔ بچہ سقہ کے بھائی حمید اللہ کے بادشاہ بن جانے کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے۔ کہ کابل میں جو تازہ اعلان ہوا ہے۔ وہ اس کے حکم سے ہے۔ مگر نیچے لکھا ہے۔ "سپہ سالار اعلیٰ" حالانکہ اس سے پہلے تمام احکام بچہ سقہ کے ہی دستخطوں سے جاری ہوتے تھے ؛

(ضیاء الاسلام پریس قادیان میں میر قاسم علی پرنٹر و پبلشر نے چھپوا کر فاروق منزل سے شائع کیا)